



محدث فتویٰ
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب محترم علی زئی صاحب رقمطراز ہیں: ال تقلید کا دعویٰ ہے کہ مسنون تراویح میں رکعات ہیں لیکن ایک بھی صحیح حدیث بطور دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

تبصرہ:

محترم کی خدمت میں درج ذیل امور کی وضاحت کی درخواست ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

نمبر ۱: جناب نے احناف کو "ال تقلید" کہا ہے بار بار۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں تو اس مطلب کے اعتبار سے تو یہ لہجہ معنی ہے کیونکہ خود محترم نے "الحديث حضرو شماره نمبر ۱" میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ لہجہ اور اجتہاد و قیاس شرعی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں لہذا مجتہد کے اجتہاد اور قیاس شرعی کو ماننا قرآن کریم اور "احادیث مبارکہ کو ماننا ہوا اور یہ اچھی بات ہے، اس کو طعن و تشنیع کے انداز میں پیش کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اور ان کی بے حرمتی اور گستاخی ہے یا نہیں؟ محترم اس کا جواب دیں۔

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد

میں نے احناف کو نہیں بلکہ تقلیدیوں، دیوبندیوں اور بریلویوں کو آل تقلید کہا ہے اور حقیقت میں بھی یہ لوگ آل تقلید ہیں۔ (۱)

دیوبندی و بریلوی حضرات مجتہد کے اجتہاد پر نہیں بلکہ اپنے اپنے اکابر علماء کے اجتہادات پر عمل کرتے ہیں اور یاد رہے کہ یہ لوگ حنفی نہیں بلکہ صرف تقلیدی ہیں۔ (۲)

غیر مجتہد کے اجتہادات اور کتاب و سنت کی مخالفت کرنے والے تقلیدی حضرات پر تنقید کرنا بے حرمتی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ یہ تنقید عین حق اور صواب ہے اور اہل سنت کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اہل بدعت پر درکرتے ہیں۔ (۳)

نمبر ۲: احمد متنازعہ دیوبندی نے لکھا ہے:

اگر مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ احناف پر الزام اور تہمت ہے اور سورج کو انگی سے چھپانے کے مترادف ہے البتہ اس مطلب کے اعتبار سے غیر "مقلدین کو ال تقلید" کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جناب نے اپنے رسالے میں اجتہاد کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ بعض مسائل شرعیہ ایسے ہیں جو نہ تو صراحتاً کتاب اللہ سے ثابت ہیں اور نہ سنت و لہجہ سے بلکہ اجتہاد اور قیاس شرعی سے ثابت ہیں۔ اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی پارٹی کا ان مسائل شرعیہ اجتہادیہ میں کوئی مجتہد ہے یا نہیں؟ میری ناقص تحقیق تو یہ ہے کہ نہیں، بلکہ یہ غیر مجتہد کی تقلید میں ان مسائل پر چلتے ہیں۔ اگر محترم علی زئی صاحب کے خیال میں ہماری یہ تحقیق غلط ہے تو براہ کرم اس مجتہد کا نام باحوالہ بتا دیا جائے جس کی تقلید میں آپ کی پارٹی متفقہ طور پر مسائل شرعیہ اجتہادیہ پر عمل کرتے ہیں۔ نیز اگر محترم کا دعویٰ اس کے سوا یہ ہو کہ ہمارے فرقہ غیر مقلدین کا تو ہر فرد خود مجتہد ہوتا ہے ہر ایک کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے کسی دوسرے مجتہد کی ضرورت ہی نہیں تو جناب سے درخواست یہ ہے کہ آپ اس عموم اجتہاد کے دعویٰ پر کوئی شرعی دلیل پیش فرمائیں۔ بہر حال ال تقلید کے دونوں مطالب می سے جو آپ کی مراد ہے اس پر جو اشکال ہے اس کا جواب دیجیے گا اگر کوئی تیسرا مطلب ہے تو جناب اس کو باحوالہ مدلل بیان فرمائیں۔

الجواب: (۱) دیوبندی حضرات اجتہادی مسائل و مسائل منصوصہ میں غیر مجتہد کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں لہذا وہ اپنے دعویٰ تقلید ابی حنیفہ میں چھوٹے ہیں۔ مثلاً

مثال اول: امام ابو حنیفہ جلدین و منغلین کے علاوہ دیگر جرائدوں پر مسح کے قائل نہیں تھے مگر بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ لامر غینانی لکھتے ہیں

وعنه انه رجع الى قولهما وعليه الفتوى اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ انھوں نے قاضی ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی کے قول (جواز مسح علی الجوبین) کی طرف رجوع کر لیا اور (حنفیوں کا) اس پر فتویٰ ہے۔ (البدایہ) (اولین ص ۶۱ باب المسح علی الجنبین)

امام ابو حنیفہ کے اس رجوع کے بعد دیوبندی حضرات اپنے اکابر کی وجہ سے جرائدوں پر مسح کے قائل نہیں ہیں۔

مثال دوم: امام شافعی رحمہ اللہ اپنے آخری قول میں فرماتے ہیں کہ "کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔" (معرقۃ السنن والابحار للبیہقی ۲/۵۸۸ ج ۲۸۸ سندہ صحیح، نصر البہاری ص ۲۳۸)

مجتہد کا یہ قول دہلوی حنفی حضرات بالکل نہیں ملتے۔

(مثال سوم: امام مالک رحمہ اللہ عیدین کی نمازیں بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ دیکھئے موطا امام مالک (ج ۱ ص ۸۰ ح ۲۳۵) وقال: ”وهو الامر عندنا“ (سنن الترمذی ۶۳۵)

جبکہ دہلوی حنفی حضرات بارہ تکبیروں پر عمل نہیں کرتے بلکہ مخالف ہیں۔

(مثال چہارم: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آمین با بھر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام اور اس کے مشتبہی آمین با بھر کہیں۔ دیکھئے مسائل احمد روایہ عبداللہ بن احمد (ج ۱ ص ۲۵۶ مسئلہ: ۳۵۸) اور سنن الترمذی (ج ۲ ص ۲۲۸)

حالانکہ اس مسئلے سے دہلوی حنفی حضرات کو بہت چڑ ہے۔ معلوم ہوا کہ دہلوی لوگ مجتہدین (اور کتاب و سنت و اجماع کے خلاف اپنے غیر مجتہد اکابر کے اجتہاد و قیاس پر پلٹے ہیں۔

(تقلید نہ کرنے والے کو غیر مقلد کہا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد تھے۔ دیکھئے مجالس حکیم الامت (ص ۳۲۵) حقیقۃ حقیقۃ الامجاد (ص ۷۰) ۲)

لہذا ثابت ہوا کہ غیر مقلدین کو آل تقلید کہنا غلط ہے۔

مسائل اجتہاد میں ہر شخص اجتہاد کرے گا اور یہ اجتہاد عارضی و وقتی ہوگا، اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔ دہلوی حنفی حضرات بھی مسائل اجتہاد یہ میں اجتہاد کرتے ہیں مثلاً روزے کی حالت میں ٹیکا لگانا، زنی و ۳) مریض کو عند الضرورت اپنا بعض خون دینا، روزے کی حالت میں انہیر کا مسئلہ اور حجاز میں نماز وغیرہ۔

یہ کہنا کہ اہل حدیث (علماء و عوام) ان مسائل میں غیر مجتہد کی تقلید کرتے ہیں، ناقص و فاسد و باطل ”تحقیق“ ہے۔ ۴)

اہل حدیث کے دو گروہ ہیں: (۱) علماء (۲) عوام ۵)

علماء کتاب و سنت علی فہم السلف الصالحین، اجماع اور اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور عوام ان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ رجوع نوع من الاجتہاد ہے تقلید نہیں ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک آل تقلید کی طرح صرف ایک امتی مجتہد کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ یہ شخص اپنی حسب استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔

اجتہاد میں تجزی ہوتی ہے اور عالم ہو یا عامی ہر شخص حسب استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔ عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ عالم سے جا کر مسئلہ پوچھے اور کہے کہ مجھے قرآن و حدیث سے جواب دیں۔ عالم حسب استطاعت اولہ اربعہ سے جواب ۶) دیتا ہے۔

(جس دلیل سے آپ لوگ خصوص اجتہاد کا ثبوت لاتے ہیں اسی سے عموم اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز دیکھئے ایقان بھم اولی الابصار (ص ۳۹ سطر ۸)

فرض کریں کہ ایک عامی ان پڑھ جنگل میں ہے اور سمت قبلہ بھول گیا ہے تو کیا یہ قبلہ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد نہیں کرے گا؟ جن لوگوں نے عصر کی نماز (بقریظہ والے دن) شام سے پہلے راستے ہی میں پڑھ لی تھی، کیا انھوں نے اجتہاد نہیں کیا تھا؟

ہم نے اپنا مفہوم و مطلب تو بیان کر دیا ہے مگر یاد رکھیں کہ تقلیدی حضرات یہ کہتے پھرتے ہیں کہ حق اور انصاف یہ ہے کہ فلاں امام کو ترجیح حاصل ہے مگر ہم تو فلاں (دوسرے) کے مقلد ہیں اور ہم پر اس کی تقلید واجب (۷) ہے۔ سبحان اللہ

نمبر ۳) احمد ممتاز دہلوی نے لکھا ہے

جناب نے فرمایا ہے کہ احناف گویا میں رکعات تراویح کو مسنون کہتے ہیں پر بطور دلیل ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ کسی عمل کے مسنون ہونے کو ثابت کرنے کے لیے حدیث صحیح کا پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بدوں حدیث صحیح کے سنت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فرض، واجب سنت اور مستحب کے اصطلاحی نام آپ ک ہاں بھی مستعمل ہیں۔ جناب واضح الفاظ میں بتائیں کہ فرض کے ثبوت کے لئے کس قسم کی آیت اور حدیث کی ضرورت ہے، واجب کے لئے کس قسم کی آیت اور حدیث کی ضرورت ہے اور سنت، مستحب اور نفل کے لئے کس قسم کی آیت و حدیث کی ضرورت ہے۔ جناب باحوالہ معیار بتائیے ان شاء اللہ اسی کے مطابق آپ کی دلیل دی جائے گی ضرور معیار بتائیے گا ورنہ آپ کی شکست تصور کی جائے گی۔

نمبر ۳: جواب سے قبل یہ بات بھی سامنے رکھیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک خلیفہ راشد کے اس عمل کو بھی سنت فرماتے ہیں جو بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والیوم یکرار بعین و عمر ثمانین و کل سنیۃ۔“ (مسلم ص ۷۴ ج ۲، ابن ماجہ ص ۸۵ الحدوۃ ص ۲۶۰ ج ۲)۔

الحجاب: ۱) دہلویوں کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف میں رکعات تراویح سنت مکتوہ ہے اور اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس دعویٰ پر وہ ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ والحمد للہ

یہ مسئلہ کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے چاہے حدیث مرفوع ہو یا موقوف یا کسی کا اثر۔ ۲)

سنت کے لئے بھی صحیح حدیث ضروری ہے چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کریں یا خلفائے راشدین سے۔ ضعیف و مردود روایات کا وجود اور عدم وجود ایک برابر ہے۔ ۳)

(دیکھئے کتاب الحجر و حین لابن حبان (ج ۱ ص ۲۲۸ ترجمہ سعید بن زیاد

اصطلاحات دو طرح کی ہیں: (۱) لہجائی (۲) اخلاقی (۳)

اختلاف میں رُوح کو ترجیح دینا ضروری ہے۔

ہر حوالے کے لئے چاہے حدیث مرفوع ہو یا کسی امام کا قول حدیث صحیح ضروری ہے اور اسی میں آل تقلید کی عبرت ناک شکست ہے۔ (۵)

یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے آل تقلید کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ (۶)

نمبر (۴) احمد ممتاز دہلوی نے لکھا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے سزا دی اور دونوں باتیں سنت ہیں۔ دیکھئے یہ روایت صحیح مسلم کی ہے اور ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو خلیفہ راشد بھی ہیں اور سنت، بدعت وغیرہما کے مضموم کو بخوبی جانتے بھی ہیں۔ محدث امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ہذا دلیل ان علیا کان معظماً لبقار عمر وان حکمہ وقولہ سنہ وامرہ حق کلک ابو بکر خلاف ما یذہب الشیعہ علیہ (شرح مسلم ص ۴۲ ج ۲)۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سہارا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے حکم اور قول کو سنت اور ان کے امر کو حق کہتے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی وہ یہی راٰی رکھتے تھے نہ کہ شیعہ شنیعہ، جب کہ ان کو جھٹلاتے ہیں۔

تنبیہ:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف امت اور صراط مستقیم کے ص ۳۶ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے ”اور اس لہجائی مسئلہ (تراویح) میں، میں نے بعض حضرات (غیر مقلدین) کو اپنے کانوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناروا الفاظ کہتے سنا ہے۔“

نمبر ۴: محترم ایک بات یہ بھی بتلانیے گا کہ ”خیر القرون“ جن کی خیریت بخاری ص ۳۶۲ ج ۱، مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ان کے عمل کو سنت کہا جائے گا یا نہیں؟ اور خیر القرون میں کسی ایک مسجد میں رکعت سے کم تراویح پڑھنے کا معمول کوئی بتا سکتا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو باحوالہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ ”میں نے مکہ والوں کو تسلسل کے ساتھ میں رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا ہے“ کی طرح بتائیے۔

نمبر ۵: محترم سے حدیث صحیح کے متعلق یہ پوچھنا ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اس حدیث کو صحیح کہا جائے گا یا نہیں؟ نیز تلقی بالقبول کا مطلب کیا ہے۔ واضح اور صاف الفاظ میں بتلانیے گا۔

الجواب: (۱) اہل حدیث تو تھوڑے خلفائے راشدین کی سنت کو ملنتے ہیں لیکن آل تقلید کی مقامات پر اس سنت کو رد کر دیتے ہیں مثلاً:

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پشاپ کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۳۶۲ و سندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آل تقلید یہ کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح باہر نہیں ہے۔

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کی طرح وتر حتمی (واجب و فرض) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ۱/۴۰۸ ج ۸۳۲ و سندہ حسن)

اس کے مقابلے میں آل تقلید کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔

یوسف لدھیانوی دہلوی کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ (۲)

! ہم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و ناموس کے لئے ہماری جانیں قربان ہیں۔ اے اللہ! ہمیں صحابہ کرام اور ثقہ تابعین کے ساتھ اٹھانا

(خیر القرون کا ہر عمل سنت نہیں کہلاتا اور نہ تقلیدی حضرات اسے سنت سمجھتے ہیں مثلاً: عکرمہ (تابعی) پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۸۱ ج ۸۷۸، و سندہ صحیح ۳)

(سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب غسل جنابت کرتے تو اپنی دونوں آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۳۵ ج ۸۷۸، و سندہ صحیح

حالانکہ دہلوی حضرات انہیں سنت نہیں ملتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح باجماعت ثابت ہیں۔ (۳)

(دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۳۸ ج ۱۰۴۰، و سندہ حسن لذاتہ، صحیح ابن حبان ۳/۶۲ ج ۲۴۰۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات کا حکم ثابت ہے۔

(”دیکھئے موطا امام مالک (۱/۱۳۱ ج ۲۳۹ و آثار السنن ۴۵، وقال: ”واسنادہ صحیح

معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں آٹھ رکعات تراویح ہوتی تھیں۔

اہل مدینہ اکتالیس (۳۱) ک قائل تھے اور مدینہ میں اس پر عمل تھا۔ (۵)

دیکھئے سنن الترمذی (ج ۸۰۶) کیا یہ بھی سنت ہے؟

(امام محمد بن نصر المروزی اپنے استاد (حسن بن محمد) الزعفرانی سے وہ امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں لوگوں کو اکتالیس (۳۹) رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مختصر قیام اللیل ص ۲۰۲)

اس طویل قول میں میں رکعتوں کا ذکر ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ ”فان اطالوا القيام و اهلوا السجود فحسن و هو احب الی“ پس اگر وہ لمبا قیام کریں اور تھوڑی رکعتیں پڑھیں تو لہجہ ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۲، ۲۰۳)

اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(داود بن قیس نے کہا: میں نے عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) اور ابان بن عثمان (بن عثمان) کے دور میں مدینہ میں لوگوں کو پچھتیس (۳۶) رکعتیں اور تین و تیر پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳/۲ ج ۶۸۸ و سندہ صحیح)

کیا خیال ہے؟

تلفی بالقبول سے مراد تمام امت کا قبول کرنا ہے یا بعض کا؟ اول الذکر تو جماع ہے اور ثانی الذکر حجت نہیں ہے۔ (۶)

ہماری تحقیق میں تلفی بالقبول سے مراد تمام امت کا بالاتفاق وبالجماع قبول کرنا ہے جو کہ شرعی حجت ہے۔ یاد رہے کہ میں رکعات والی روایت کو تلفی بالقبول حاصل نہیں ہے۔

نمبر ۵: احمد ممتاز دہلوی نے لکھا ہے:

محترم علی زئی صاحب فرماتے ہیں ال تقلید کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے میں رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے لیکن کی ایک بھی صحابی کا باسند صحیح اثر بطور پردلیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ (۲)

: تبصرہ

درج ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

(نمبر ۱: آپ کی پارٹی اور فرقہ کے عظیم مترجم اور امام علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے: ”ابنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح میں رکعتیں منقول ہے۔“ (بیسر الباری ص ۱۴۷ ج ۱۳)

نمبر ۲: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں تقریباً ہر حدیث کے تحت حضرات صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین وغیرہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہب، عمل اور اقوال نقل فرماتے ہیں۔ تراویح کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں۔ واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی و عمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرين رکعة

اور اکثر اهل العلم کا عمل حضرت علی اور حضرت عمر اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی میں رکعات کے مطابق ہے اور یہی قول سفیان ثوری، ابن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے ہمارے (شہر مکہ مکرمہ میں کہ لوگ میں رکعت ہی پڑھتے آئے ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۶۶ ج ۱)

نمبر ۳: ان کی اس نقل پر اعتماد کرتے ہوئے صحیح سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ نہیں تو کس اصول و دلیل سے؟ اور انہوں نے بدوں فائدہ ملنے والی روایت کیونکہ سیاہ کیے؟

نمبر ۴: محترم صاحب! اگر کوئی رافضی قرآن کریم کی کسی آیت سے متعلق آپ سے سات قراءۃ کا سوال کرے کہ جب تک آپ اس کو اور اس کی ہر قراءۃ کو سند کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ کریں۔ ہم نہیں ملتے تو جناب کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب: ۱) وحید الزمان حیدر آبادی کا حوالہ فضول ہے۔

میرے استاد مولانا بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(نواب وحید الزمان اہل حدیث نہ ہو) (مروجہ فحی حقیقت / سند حی ص ۹۲)

جب وحید الزمان اہل حدیث نہیں تھا تو آپ اہل حدیث کے خلاف اس کا حوالہ کیوں پیش کرتے ہیں؟ امین اوکاڑوی دہلوی نے وحید الزمان وغیرہ کی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”لیکن غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے (علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کرچکے ہیں.....“ (تحقیق مسئلہ تقلید ص ۶، مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۲۲)

باہ مہربانی اہل حدیث کے خلاف غیر مفتی بہا اقوال اور بالاتفاق غلط حوالے پیش نہ کریں۔

(امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ”بلی بختار احدی و اربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب“ بلکہ ہم ۳۱ رکعتوں کو اختیار کرتے ہیں جو کہ ابی بن کعب سے مروی ہیں۔ (سنن الترمذی: ۸۰۶ ۲)

آپ لوگ کتابیں (۴۱) رکعتیں کیوں نہیں پڑھتے؟ اور کیا بغیر سند کے روی کے ساتھ روایت صحیح ہوتی ہے؟ کچھ تو انصاف کریں!

: اگر روی وغیرہ کے بے سند اقوال حجت ہیں تو سنیں

: عبدالحق اشبیلی نے ابن مغیث سے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے فرمایا

میں اپنے لئے قیام رمضان گیارہ رکعتیں اختیار کرتا ہوں، اسی پر عمر بن الخطاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے، مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟“
(کتاب التہجد ص ۶۶، افتقرہ: ۸۹۰)

کیا خیال ہے؟

اگر یہ قول ثابت نہ ہو تو ترمذی والابے سند قول بھی ثابت نہیں ہے۔

[۱۱] اسحاق بن راہویہ اور امام داؤد بن قیس وغیرہما کے اقوال کے بارے میں کیا خیال ہے؟ [دیکھئے عبارت نمبر ۴، جواب نمبر ۵، عبارت نمبر ۵، جواب نمبر ۲ (۳)]

راہت اگر کوئی تابعی پیش کرے یا امام بخاری، امام ترمذی اور امام مسلم وغیرہم، اگر اس کی سند صحیح متصل نہیں ہے تو حجت نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سند بات مردود ہوتی ہے۔ (۴)

محدثین کرام نے ضعیف، مردود اور موضوع روایات بھی لکھی ہیں۔ کیا انہیں حجت بنانا ضروری یا جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر بے سند اقوال کی کیا حیثیت ہے؟

یہ ساتوں قراءتیں باب روایت میں سے ہیں باب رائے میں سے نہیں اور ان کے جواز پر اہل حق کا اجماع ہے۔ اس اجماع ک خلافت و افض کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن مجید سند متواتر کے ساتھ ثابت ہے لہذا خبر واحد صحیح کا (۵) یہاں کوئی گزر نہیں۔ واللہ

: نمبر ۶) احمد ممتاز دہلوی نے لکھا ہے

جو جواب دیا جائے گا وہ تراویح کے باب میں کیوں نہیں دیا جاسکتا؟

نمبر ۵: اسمائے رجال اور جرح و تعدیل کی کتب میں بلا سند جرح و تعدیل معتبر ہے یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرہما رحمہ اللہ تعالیٰ جن ائمہ حضرات سے جرح و تعدیل بدوں سند نقل کرتے ہیں۔ ان سے ان کی سماع نہ ثابت نہ ممکن اور یہ ائمہ حضرات جن روایات پر جرح کرتے ہیں یا ان کی توثیق کرتے ہیں وہ بلا سند اور سماع نہ ثابت نہ ممکن، لہذا جب تک بسند صحیح جرح و تعدیل نہ بتایا جائے قبول نہیں تو محترم کیا جواب دیں گے؟ وہ بھی بتایا جائے اور اس جواب کا تراویح کے باب میں درست نہ ہونا بھی واضح کر دیا جائے۔

نمبر ۶: جناب زبیر علی زئی صاحب صفحہ نمبر ۸۰۔ ۷۹ پر لکھتے ہیں ”اسد بن عمرو بذات خود مجروح ہے مجسور محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور حماد بن شعیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”مجسور محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ محترم آپ دونوں کی جرح کو سند صحیح سے ثابت کریں نیز جس نے جرح کی ہے اس کی ان سے ملاقات بھی ثابت کریں۔

نمبر ۷: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سند ذکر کی ہے وہاں صحت و ضعیف کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالی، اور جہاں بدوں سند خود فرماتے ہیں کہ فلاں کا مذہب یہ ہے قول، عمل یہ ہے تو صحت کی ذمہ داری خود اپنے سر پر لے لی دیکھو معاشرہ میں آج بھی یہ بات عام ہے کہ جس بات کا کہنے والے کو یقین نہیں ہوتا تو نقل اور بیان کے وقت کہتا ہے کہ فلاں نے یہ بات کہی یا لکھی ہے لہذا صحت و قوت کا ذمہ دار وہ ہے اور جس بات کا یقین ہوتا ہے اس کو ”بدوں حوالہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے اور صحت و قوت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہیں۔“

الحجاب: ۱) قراءت سبھ کی سند صحیح متواتر ہے جبکہ تراویح کے بارے زبردست اختلاف ہے۔ اختلاف کے لئے دیکھئے عینی حنفی کی کتاب عدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷ باب فضل من قام رمضان۔

لہذا یہ قیاسی سوال مع الفارق ہے۔

بلا سند جرح و تعدیل معتبر نہیں ہے۔ (۲)

حافظ ذہبی ہوں یا حافظ ابن حجر یا کوئی اور، بے سند جرح و تعدیل معتبر نہیں ہے۔ (۳)

یاد رہے کہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہما کا اپنا جرح و تعدیل والا قول معتبر و قابل مسوع ہے بشرطیکہ مجسور محدثین کے خلاف نہ ہو۔

جرح و تعدیل کے لئے معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

تراویح کا مسئلہ ہو یا کوئی دوسرا مسئلہ ہو، ہر مسئلے میں جرح و تعدیل کا با سند صحیح و مقبول ہونا ضروری ہے۔ (۴)

: اسد بن عمرو کے بارے میں با سند صحیح جرح درج ذیل ہے (۵)

(امام بخاری نے فرمایا: ضعیف الخ) کتاب الضعفاء الصغیر: ۳۴ تحقیقی: ۱:

(امام ہانی نے فرمایا: یس بالقوی (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۵۳: ۲)

(امام یزید بن ہارون نے فرمایا: لا یکل الاخذ عنہ (البحر والتعذیل ۲/۳۳۷ وسندہ صحیح

(امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ضعیف لحد (البحر والتعذیل ۲/۳۳۷: ۳

ابن حبان نے اسے کتاب البحر ووصین (۱۸۰/۱) میں ذکر کیا اور جرح کی۔ ۵:

(امام عمرو بن علی الفلاس نے کہا: ضعیف الحدیث (تاریخ بغداد ۴/۱۸۷ وسندہ صحیح

(جو زبانی نے اسد بن عمرو وغیرہ کے بارے میں کہا: قد فرغ اللہ منہم (احوال الرجال ۶: ۹۹۹۶: ۷

(ابو نعیم الاصبہانی نے کہا: لا یکتب حدیثہ (کتاب الضعفاء للاصبہانی: ۲۴: ۸

عقلمی نے اسے کتاب الضعفاء (۲۳/۱) میں ذکر کیا ہے۔ ۹:

ابن شاہین نے اسے کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابين (۲) میں ذکر کیا۔ ۱۰:

مزید تحقیق کے لئے میدان وسیع ہے۔

جواب نمبر ۳ میں عرض کر دیا گیا ہے کہ جرح و تعدیل میں معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ (۶)

اگر کسی محدث کے ثقہ ہونے کی وجہ سے اس کی بے سند روایات حجت ہیں تو پھر یہ تسلیم کریں کہ امام مالک گیارہ رکعات تراویح کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ ”مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال (۷) لی ہیں؟“ دیکھئے عبارت نمبر ۵ کا جواب نمبر ۲

(یعنی حنفی نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ گیارہ رکعتیں اور اسے امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور ابو بکر العربی (قاضی) نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۲۷

(سرفراز خان صفہ ردیوبندی تقلیدی لکھتے ہیں: ”اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔“ (احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲ طبع دوم

! جب امام بخاریؒ کی بے سند بات حجت نہیں ہے تو امام ترمذیؒ کی بے سند بات کس شمار و قطار میں ہے؟

(نمبر ۷) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے

الحاصل جب امام ترمذی رحمہ اللہ نے بدو سند و حوالہ کسی کا مذہب، عمل اور قول نقل کیا ہے تو گویا صحت و قوت کی ذمہ داری انہوں نے خود اپنے سر لے لی ہے۔ اب جب یہ بات مسلم ہے کہ امام ترمذی خود ثقہ اور با اعتماد ہیں تو ان کی نقل پر اعتماد کرنا چاہیے ہاں یہ ضرور ہے کہ امتی ہیں اور غیر معصوم ہیں۔ نسیان و خطا کا احتمال موجود ہے اگر کوئی ان کی نقل کے خلاف کو کسی مضبوط دلیل سے ثابت کر دے تو ہم اس وقت ان کی نقل کر نسیان اور خطا پر محمول کر کے ان کو معذور و مامور کہیں گے اور مدلل بات کو قبول کر کے عمل کریں گے لیکن بدو دلیل قوی کے صرف اتنی بات کہنے سے کہ بلا سند ہے ہر گز ہر گز ان کی نقل سے صرف نظر کسی کسی کے ہاں بھی درست نہیں۔

جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر بہت ہو تو صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالے سے کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا مجتہد سے ایک دن اس کے (یعنی میں رکعت کے) خلاف آٹھ رکعت تراویح پڑھنا ثابت کیجیے۔ دیدہ باید، اپنی طرف سے منہجرت قیود و شروط کا کران حضرات کی محتوت کو اور فتول کو بے حیثیت و بے قیمت بتلا کر رد کر کوئی عالمانہ اور دیا بتدارانہ کارنامہ نہیں۔

نمبر ۸: کرہی گلستان جوہر کا باشندہ ”شاہ محمد“ اپنے رسالے ”قرآن عظیم سے اختلاف کیوں؟ میں لکھتا ہے ”ہر نماز حالت امن میں دو رکعت ہے اور خوف میں ایک رکعت۔“

جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر یہ آپ سے پوچھے کہ آپ ظہر کے چار فرض ملتے ہو اور چار سے کم پڑھنے والے کو بے نمازی کہتے ہو لہذا جس طرح ظہر کی نماز کی فرضیت ثابت ہے اسی طرح چار رکعت کی فرضیت یا تو قرآن سے ثابت کر دیا پھر اتنی حدیثوں سے ثابت کرو جن سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جب سنت کے ثبوت کے لیے کئی حدیثوں کی ضرورت ہے تو فرضیت کے ثبوت کے لیے تو بشمار حدیثوں کی ضرورت ہوگی لہذا جناب صرف ایسی دس حدیثیں سند صحیح سے بتائیں جن میں ظہر کے چار رکعت فرض کا بیان ہو۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ تعامل اور توازن توارث سے جواب دیں گے یا نہیں؟ اگر دیں گے تو تراویح کا جواب تعامل و توارث سے قبول کیوں نہیں؟

الحجاب: ۱) بے سند بات حجت نہیں ہوتی۔

عبارت نمبر ۶ کا جواب نمبر ۷ دوبارہ پڑھ لیں۔

صرف صحاح ستہ کی شرط باطل ہے۔ صحیح حدیث جہاں بھی ہو حجت ہے۔ (۲)

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تیم الداری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ دیکھئے امام نسائی کی کتاب السن الکبریٰ (ج ۳ ص ۱۱۳ ح ۳۶۸۷ وسندہ صحیح

طحاوی حنفی نے اس اثر سے استدلال کیا ہے۔ صرف یہی ایک دلیل آپ لوگوں کے تمام اعتراضات کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ الحمد للہ

ہماری شروط من کھرت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین سے میں رکعات کا ثبوت پیش کریں یا پھر تابعین سے ثابت کریں کہ وہ میں یا انبائیس رکعتیں سنت مؤکدہ (نہ کم) ۳) نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اذلیس فلیس

۴) گلستان جوہر کے مہول بے دین اور لحد کی بات پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ظہر کے چار فرضوں کی فرضیت کا ثبوت صحیح احادیث سے بھی ہے اور اجماع سے بھی۔ فرضیت کے ثبوت کے لئے صرف ایک صحیح حدیث بھی کافی ہے۔ والحمد للہ

۵) دس حدیثوں کا مطالبہ فضول ہے کیونکہ خبر واحد صحیح بھی حجت ہے اور اس پر ایمان و عمل واجب و فرض ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "فرض اللہ الصلوۃ علی لسان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم فی الحضاربعاً" الخ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضریں چار رکعتیں فرض کی ہیں۔) (صحیح مسلم ۶۸۷: وترقیم دارالسلام، ۱۵۷۵)

۶) جس طرح ظہر کے چار فرضوں پر اجماع ہے کیا میں تراویح کے سنت مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) ہونے پر اجماع ہے؟ ہا تو ابراہیم ان کتتم صادقین

یعنی حنفی کے اس قول "وقد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ....." (عمدة القاری ج ۱ ص ۱۲۶) کا کیا مطلب ہے؟

(خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں، "اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے۔" (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

(سہارنپوری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ "البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں۔" (براہین قاطعہ ص ۸)

تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ" دوبارہ پڑھ لیں۔"

نمبر ۸: احمد متنازع دیوبندی نے لکھا ہے

نمبر ۹: حدیث مرسل جس کے حجت ہونے پر خیر القرون میں اتفاق رہا ہے۔ چنانچہ

امام سیوطی، علامہ قاسم بن قطلوبغا، محدث الجزائری اور مولانا عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں (۱)

وقال ابن جریر اجمع التابعون یا سرہم علی قبول المرسل ولم یات عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمة بعدہم الی راس الماتین قال ابن عبد البر کانہ یعنی الشافعی اول من ردہ..... (تدریب الراوی ۱۲۰، فیہ الالمی ۲۷، توجیہ النظر ۲۳۵ مقدمہ فتح الملمم ۳۳، بحوالہ احسن الکلام ۱۳۶/۱)

امام ابن جریر نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب اس امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے، تابعین سے لے کر دوسری صدی کے ہزنیک آئمہ میں سے کسی نے مرسل کے قبول کرنے کا انکار نہیں کیا۔ ابن عبد البر فرماتے "ہیں کہ گویا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: و مذہب مالک و ابی حنیفہ و احمد و اکثر الفقہاء انہ یصح بہ و مذہب الشافعی انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضدہ الحج بہ و ذلک بان یروی سندہ او مرسلان جہۃ اخری او یعمل بہ بعض الصاباء و اکثر (۲) (العلماء۔) مقدمہ نووی بشرح مسلم، ۱۷۷

امام مالک، امام ابو حنیفہ امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کنوی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہوگا مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اکثر علمائی نے اس پر عمل کیا ہو "اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرسل معتقد کے حجت ہونے کے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی قائل ہیں۔

(نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں: واما المرسل فقد کان یصح بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری و مالک و الاوزاعی جی ہا الشافعی فہم فیہ) (السطح فی ذکر الصحاح السیۃ ۱۰۶، بحوالہ احسن الکلام ۱۳۷/۱) (۳)

"مراسیل کے ساتھ گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے مثلاً سفیان ثوری امام مالک امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ، پھر جب امام شافعی آئے تو انہوں نے مرسل کی حجت میں کلام کیا۔"

ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ دوسری صدی کے ہزنیک مرسل کے حجت ہونے پر اتفاق تھا تابعین سے لے کر دوسری صدی کے ہزنیک آئمہ میں سے کوئی بھی مرسل حدیث سے احتجاج کا منکر نہ تھا۔

تعب ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک یہ اجماع تو حجت نہیں لیکن دوسری صدی کے بعد کا نظریہ قابل قبول ہے۔ چونکہ ہم خیر القرون کے نظریے کو صحیح اور قابل تقلید سمجھتے ہیں اس لئے حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں جو لوگ سلف کی پیروی کی بات کرتے ہوئے اپنے کو سلفی کہتے ہیں ان کو ان خیر القرون کے اسلاف کی پیروی کرنا چاہیے۔

اور تراویح کے باب میں ایک نہیں کئی صحیح مرسل احادیث ثابت ہیں۔

حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں میں رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام نووی، علامہ سبکی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (التلخیص الحسن (۱) ص ۵۳ ج ۲ بحوالہ لمعات المصانج)

(حدیث صحیح بن سعید الانصاری: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو میں رکعتیں پڑھائے یہ روایت بھی سند اقوی ہے۔) (اتہار السنن ص ۵۵ ج ۲) (۲)

(شیر بن شکر جو اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں کہ وہ ان کو امامت کراتے تھے رمضان میں میں رکعت اور تین و ترکا اور اس میں قوت ہے۔ (تصحیح ص ۴۹۶ ج ۲) (۳)

الحجاب: ۱) حدیث مرسل کے حجت ہونے پر خیر والقرون میں کبھی اتفاق نہیں رہا ہے۔

(امام یحییٰ بن سعید القطان (پیدائش ۱۲۰ھ وفات ۱۹۸ھ) زہری اور قتادہ کی مرسل روایات کو کچھ چیز بھی نہیں سمجھتے تھے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۲ فقرہ ۱: وسندہ صحیح: ۱)

(یحییٰ بن سعید سے سعید بن السیب عن ابی بکر (والی مرسل روایت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسے ہوا کی طرح (مکڑور و بے حقیقت) قرار دیا۔ (المراسیل: ۳ وسندہ صحیح

(امام شعبہ بن الحجاج البصری (پیدائش ۸۲ھ وفات ۱۶۰ھ) ابراہیم نخعی کی علی رضی اللہ عنہ سے (مرسل) روایت کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ (المراسیل: ۱۲: وسندہ صحیح: ۲)

بشیر بن کعب (ایک تابعی) نے جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سلسلے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر روایات (مرسل روایتیں) بیان کیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ: ۳
(فرمائی۔ دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دار السلام: ۲۱)

(اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں وفات پانے والے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے السنک علی ابن الصلاح الحافظ ابن حجر (۲/۵۵۳

ایک دفعہ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک منقطع (مرسل) حدیث بیان کی تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اسے عروہ! کیا کہہ رہے ہو؟ ۴

عروہ نے فرمایا: اسے بشیر بن ابی مسعود اپنے والد (الو مسعود رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے تھے۔ یعنی سند متصل بیان کر دی۔

(دیکھئے الموطا للامام مالک (۱/۳، ۱) صحیح البخاری (۵۲۱) اور صحیح مسلم (۱/۱۶۴، ۶۱۰)

پھر عمر بن عبدالعزیز کا کوئی اعتراض مروی نہیں ہے یعنی وہ چپ ہو گئے۔

: معلوم ہوا کہ ۱۰۱ھ میں فوت ہونے والے عمر بن عبدالعزیز مرسل احادیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ اب دو اقوال بطور الزام پیش خدمت ہیں:

(طحاوی حنفی کے ایک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ منقطع (مرسل) روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۶۳، باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعنده اکثر من اربع نسوة: ۱)

(حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حاکم نے سعید بن السیب (متوفی بعد ۹۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ "ان المرسل لیس بحجة" بے شک مرسل حجت نہیں ہے۔ (السنک علی ابن الصلاح ۲/۵۶۸: ۲)

! اتنی زبردست مخالفت و اختلاف کے باوجود یہ پروپیگنڈا کرنا کہ "مرسل بالاتفاق حجت ہے" کیا معنی رکھتا ہے؟

: ابن جریر کی طرف منسوب قول کئی وجہ سے مردود ہے ۲)

جواب سلیق میں ذکر کردہ قابل تردید چاروں حوالوں کے خلاف ہے۔ ۱:

اس قول کی ابن جریر تک صحیح متصل سندنا معلوم ہے۔ سیوطی، ابن عبدالبر، قاسم بن قطلوبغا اور ابوجزازی وغیرہم کے بے سند و بے ثبوت حوالے مردود ہیں۔ ۲:

(ایسے دعویٰ اتفاق کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: "لکن مردود علی مدعیہ" لیکن یہ اس کے مدعی پر مردود ہے۔ (السنک علی ابن الصلاح ۲/۵۶۸: ۳)

(خود دیوبندی حضرات بہت سی مرسل روایتیں نہیں ملتے مثلاً طاووس تنابلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔ (دیکھئے المراسیل لابن داود: ۳۳ وسندہ حسن: ۴)

تنبیہ:

(اس کے راوی سلیمان بن موسیٰ کے بارے میں سرفراز خان صفدر (دیوبندی) نے کہا: "ووثقه الجھور" صحرا سن السنن ۲/۸۹

یعنی جھوٹے اس کی توثیق کی ہے۔

ی سارے بے سند اقوال ہیں جو نووی صاحب نے لکھے ہیں۔ جواب نمبر ۱ کے صحیح حوالوں کے مقابلے میں یہ مردود ہیں۔ ۳)

: نواب صدیق حسن خان کا قول بھی کئی وجہ سے مردود ہے ۴)

یہ صحیح وثابت حوالوں کے خلاف ہے۔ ۱:

نواب صدیق حسن خان صاحب "غیر مقلد" ہونے کے ساتھ "حنفی" بھی تھے۔ نواب کا اپنا بیٹا سید محمد علی حسن خان لکھتا ہے: "سنی خالص محمدی قیام مود، بحث متبع کتاب وسنت حنفی مذہب نقشبندی مشرب تھے اور ہمیشہ ۲:

(طریقہ اسلاف پر مذہب حنفی کی طرف لپٹنے کو منسوب کرتے تھے مگر عملاً و اعتقاداً اتباع سنت کو مقدم رکھتے تھے" (ماثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱) نیز دیکھئے "حدیث اور الحديث" (ص ۸۳

ی سارے بے سند حوالہ جات صحیح حوالوں کے مقابلے میں مردود ہیں۔ مھوٹے لہجہ کا دعویٰ کرنا اہل علم کو مذہب نہیں دیتا۔ (۵)

تقلیدی لوگ مرسل کو وہاں حجت سمجھتے ہیں جہاں وہ ان کی اندھی تقلید کے مطابق اور اگر مرسل ان کی تقلید کے مخالف ہو تو اللہ کی مخلوقات میں سب سے پہلے ہی لوگ مرسل کو ترک کر دیتے ہیں جس کی ایک مثال اوپر گزر چکی (۶)
(ہے)۔ (دیکھئے یہی صفحہ [سابقہ صفحہ] جواب نمبر ۲)

سلفی بھائی محمد اللہ قرآن و حدیث علی فہم السلف الصالحین، لہجہ اور اجتہاد پر مسلسل عمل کر رہے ہیں۔

(ی روایت سنن سعید بن منصور (بحوالہ الجاوی للفتاویٰ ۳۳۹/۱ و حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۰) کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ نیز دیکھئے ”تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ“ (ص ۲۵) ۴)

شاذ روایت مردود ہوتی ہے لہذا نووی اور سبکی وغیرہما کا اسے صحیح کہنا غلط ہے اور سبکی کا باعث ہے۔

یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید الانصاری کی ولادت سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ (۸)

شیر بن شہل کی طرف منسوب روایت السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۹۶/۲) میں بلا سند ہے۔ لہذا اس میں قوت کہاں سے آگئی؟ (۹)

دوسرے یہ کہ کیا شیر بن شہل رحمہ اللہ میں رکعتیں سنت مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے؟ صحیح سند سے ثبوت پیش کریں

: نمبر ۹) احمد ممتاز ذولبندی نے لکھا ہے

(حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں مدینہ میں لوگوں کے ساتھ میں رکعتیں تین وتر پڑھتے تھے اس کی سند قوی ہے۔ (آثار السنن ص ۵۵ ج ۲) ۳)

نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں میں رکعتیں پڑھاتے تھے۔ (۵)

ابن ابی شیبہ و اسنادہ حسن) بحوالہ لمعات المصنایح

نمبر ۱۰: کئی حضرات نے میں رکعات پر لہجہ اور اتفاق نقل کیا ہے۔

حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ”معنی“ میں فرماتے ہیں اور مختار ابو عبد اللہ کے نزدیک اس میں میں رکعات ہیں اور ایسے ہی امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶ (۱) رکعات بتاتے ہیں (الی قولہ) اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زمان المبارک میں تیس (۳۰) رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو رمضان میں میں رکعت پڑھانے کا حکم دیا اور یہ لہجہ کی طرح ہے۔ یہ جس پر صحابہ کا لہجہ ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے (اور وہ میں رکعات تراویح ہے) (المعنی ص ۸۰۳ ج ۱ بحوالہ لمعات المصنایح)

(ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر لہجہ ہے کہ تراویح میں رکعات ہیں (مرقاۃ ۲)

(رمضان میں میں رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور اصل میں اس کی سنت ہونے پر لہجہ ہے نیل الماربان فی الفقہ الخلیفی (۳)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں اور تحقیق شمار کیا ہے انھوں نے ان چیزوں کو جو عمر رضی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں واقع ہوئی ہیں لہجہ کی طرح ہیں۔ (۴)

(الحجاب: ۱) تقلیدی کتاب آثار السنن میں اس روایت کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ ”عبد العزیز بن رفع لم یدرک ابی بن کعب“ عبد العزیز بن رفع نے ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کو نہیں پایا۔ (ص ۲۵۳ ج ۱) حاشیہ ۲۸۶:

معلوم ہوا کہ یہ روایت قوی نہیں بلکہ منقطع ہے۔

دوسرے یہ کہ اس روایت کی سند میں حسن کون ہے؟

ابن ابی ملیکہ تابعی کا عمل سنت مؤکدہ (نہ کم اور نہ زیادہ) نہیں کہلاتا۔ (۲)

کیا ابن ابی ملیکہ یہ رکعتیں سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے؟ دلیل پیش کریں۔

کیا تابعی کے تمام اعمال و اقوال آپ لوگوں کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں؟

اکنابلس رکعتیں پڑھنے والوں کا عمل کیا سنت مؤکدہ ہے؟

(زبردست اختلاف کے مقابلے میں لہجہ کا دعویٰ باطل و مردود ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے ”تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ“ (ص ۸۳-۸۴) ۳)

(اختلاف کے بارے میں عینی کا قول گزر چکا ہے۔ سیوطی نے کہا: ”ان العلماء اختلافوا فی عدوھا“ بے شک علماء کا تراویح کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ (الجاوی للفتاویٰ ۳۳۸/۱)

(قرطبی نے کہا: اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ گیارہ پڑھنی چاہئیں۔) (المضم ۳۹۰/۵)

(قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں۔ الخ) (عارضۃ الاحوذی ۱۹/۲ تحت ج ۸۰۶، تعدد رکعات قیام رمضان الخ ص ۸۳)

لہذا کے یہ دعوے تو زبردست اختلاف کے مقابلے میں مردود ہیں۔ (۳)

شدید اختلاف کے بعد ابن قدامہ کا دعویٰ کہ لہذا کی طرح ہے، غلط ہے۔

(ابن قدامہ جرایلوں پر مسح کے بارے میں لکھتے ہیں: ”فان لہما“ پس یہ لہما ہے۔) (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۸۱ مسئلہ ۲۲۶)

دیوبندی حضرات ابن قدامہ کے اس لہما کو نہیں ملتے اور ہم سے غلط دعویٰ لہما منواتے ہیں۔ سبحان اللہ

ابن حجر مکی ایک بدعتی شخص تھا جس کا ثقہ و صدوق ہونا ثبات نہیں ہے۔ (۵)

اس کے دعویٰ لہما کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

نبیل المآرب کس مولوی صاحب کی کتاب ہے؟ ذرا واضح تو کریں۔ (۶)

یاد رہے کہ اختلاف کے زبردست حوالوں کے مقابلے میں نبیل المآرب وغیرہ کے حوالے مردود ہیں۔

: قسطنطینی کا قول کئی وجہ سے مردود ہے (۷)

بے حوالہ ہے۔ ۱:

اس میں میں رکعات کی صراحت نہیں ہے۔ ۲:

شدید اختلاف کے بعد لہما کا دعویٰ بالکل مردود ہے۔ ۳:

(امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”واختلف اهل العلم فی قیام رمضان“ اور اہل علم کا قیام رمضان کے بارے میں اختلاف ہے۔) (سنن ترمذی ۸۰۶)

امام ترمذی رحمہ اللہ تو تراویح کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کر رہے ہیں اور تقلیدی حضرات اس پر لہما کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

: نمبر ۱۰) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے

از”

”حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم رئیس جامعہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مدنی کالونی، گریٹس مارپور، کراچی فون: 2226051-0333

الجواب: ۱) احمد ممتاز دیوبندی تقلیدی کے اعتراضات و شبہات کا جواب مکمل ہوا۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ”حضرت مولانا..... دامت برکاتہم“ لکھ رکھا ہے۔ اگر یہ کسی اور کی تحریر ہے تو تحریر لکھنے والے کا نام کیوں غائب ہے؟

تقلید یوں کی کتاب ”کشاف اصطلاحات الفنون“ میں لکھا ہوا ہے کہ (۲)

(رجوع العامی الی المفتی ای الی البیہدہ“ (۲/۸۷۱)

معلوم ہوا کہ مفتی مجتہد کو کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ احمد ممتاز دیوبندی مجتہد بننے کے دعویدار نہیں ہیں لہذا ان کا کہنا غلط ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ علمیہ) توضیح الاحکام

ج 2 ص 519

